الایام: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ و ثقافت، کراچی جلد: ۳، شمارہ: ۱، جنوری۔ جون ۲۰۱۲ء

جنگ صفین اور خوارج کا ظہور (قسط اول)

نگار سجاد ظہیر

Abstract

The Period 656-661 (35-40 Hijri) is probably the most obscure and controversial period in the whole of Islamic History, during the period of civil war three deadly battles were fought between the political groups of Muslims, battle of Jamal, Siffin and Naharwan, one of the most decisive battle in the history of Muslims is battle of Siffin (June, July 657), whose far reaching effects had been carving history at least for a couple of century. Battle of Siffin was the beginning of the end of pious caliphate on one hand and caused emergence of Kharjites on the other hand by which, unity and integrity of Ummah came to an end, In this paper Socio-Political causes for emergence of Kharijites will be examined by the help of original sources.

پہلی صدی ہجری کا سیاسی منظر نامہ:

مسلمانوں میں اختلافات کا آغاز پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل میں ہی شروع ہو گیا تھا۔

اسلامی تاریخ میں اگر اس خاص واقعہ کا تعین کیا جائے جس کی بنیاد پر امتِ محمدیہ تقسیم ہوئی، اور آگے آنے والے سالوں میں یہ تقسیم مزید گہری ہوتی چلی گئی تو ہر زاویہ سے وہ واقعہ شہادتِ سیدنا عثمان غنی کا ٹھہرتا ہے۔۔ان کی شہادت کے اسباب پر روشنی ڈالنے کا یہ موقع نہیں مگر اس کے نتیجے میں ہوا یہ کہ چند ماہ بھی نہیں گزرے تھے کہ مسلمان خانہ جنگی میں ملوث ہوگئے۔ اسلامی وحدت اور یکجہتی میں جو رخنہ قتلِ عثمان کی وجہ سے پیدا ہوا وہ روز بروز وسیع ہوتا رہا۔

مسلمانوں میں فرقہ بندی، طبقاتی عصبیت اور خانہ جنگی کا دروازہ شہادتِ عثمان سے ہی کھلا، اور چند ماہ بعد ہی جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا جس میں تیرہ ہزار مسلمان قتل ہوئے، پھر شہادت عثمان کے ایک سال بعد ہی جنگ صفین میں دونوں طرف سے ستر ہزار افراد کام آئے، پھر صفین کے بعد نہروان کا، واقعہ پیش آیا جس میں حروریوں کے ساتھ خونریز جنگ ہوئی اور کثیر تعداد میں لوگ قتل ہوئے۔غرض سیدنا علی کا زمانۂ خلافت، جو پونے پانچ سال کا عرصہ بنتا ہے، خانہ جنگیوں کی نذر ہوگیا ''جن میں فرزندانِ اسلام کی جانیں اس بہتات سے تلف ہوئیں کہ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں کفر و اسلام کی تمام معرکہ آرائیوں میں بھی کام نہ آئی ہوں گی''۔ [1] پھر یہی نہیں، ۶۳ھ/۶۸۳ء میں پیش آنے، والے واقعۂ حرّہ کے بارے میں، جس میں کم و بیش دس ہزار صحابہ اور تابعین کام آئے، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تھا ''**بـفـعلهم بعثمان ورب الكعبه**'' یعنی رب کعبہ کی قسم، اہل مدینہ نے جو کچھ عثمان کے ساتھ کیا تھا یہ اس کا نتیجہ ہے''۔ [2]

حضرت عثمان کے خلاف ابتدائی شکایات بظاہر خطرناک نہیں تھیں۔ اگر بہ فرض محال ان تمام الزامات و شکایات کو تھوڑی دیر کے لئے درست مان بھی لیا جائے تب بھی ''قتلِ خلیفہ'' کا جواز ہرگز نہیں بنتا، مولانا مودودی لکھتے ہیں ''......ایک شورش تھی جو بعض سیاسی اور انتظامی شکایات کی بناء پر حضرت عثمان کے خلاف ان کے آخری دورِ خلافت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی پشت پر نہ کوئی نظریہ تھا نہ فلسفہ نہ کوئی مذہبی عقیدہ''۔ [3] اس بات کو محض نصف سچائی (Half Truth) کے طور پر لیا جاسکتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس شورش کے پیچھے بدویانہ عقلیت، عربی عصبیت، اور بعض مخصوص افکار کار فرما تھے، یہ اچانک پھوٹ پڑنے والا ہنگامہ نہیں تھا بلکہ خاص طور پر تیار کیا گیا منصوبہ تھا، اور ان کا ہدف، خود ان پر خوب واضح تھا، اور وہ ہدف خلیفہ وقت کی معزولی یا قتل تھا۔

سیدنا عثمان غنی کی شہادت کا واقعہ فاجعہ ۱۸/ ذی الحجہ ۳۵ھ/ ۳۱ مئی ۶۵۶ء کو مدینہ منورہ میں پیش آیا، تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمان غنی کی شہادت جس دردناک ماحول میں ہوئی اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکا ہے، اور ابھی تک متعدد سوالات ایسے ہیں جن کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت ہے، مثلاً یہ کہ سیدنا عثمان کی شہادت کی ذمہ داری عموماً ان تین باغی گروہوں پر ڈال دی جاتی ہے جو بصرہ، کوفہ اور مصر سے آئے تھے، حالانکہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مدینہ جو خود ایک ''جند'' (Cantt) تھا، خلافت اسلامیہ کا مستقر اور قوتِ سیاسیہ کا مرکز تھا، جہاں مہاجرین اور انصار اور قریش کے سینکڑوں خاندان اپنے اعوان وانصار کی بھاری جمعیتوں کے ساتھ رہتے تھے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ ان سب پر مٹھی بھر باغی غالب آگئے؟ ۴

نیز بعض روایتیں اس طرف بھی اشارہ کرتی ہیں کہ مدینہ کے غلام اور شہر کے گردونواح کے بدّو (اعراب) بھی اس ہنگامہ دارو گیر میں باغیوں کے شریک کار ہوگئے تھے۔ کیا یہ غلام اپنے آقاؤں سے آزاد ہوگئے تھے؟ اور کیا یہ بدو اس قدر چیرہ دست ہوگئے تھے کہ شہر پر عملاً ان کا تسلط قائم ہوگیا تھا؟ حالانکہ اس سے قبل یعنی ۳۵ھ/ ۶۵۶ء سے قبل ایسے کسی واقعہ کا تاریخ سے پتا نہیں چلتا۔ ۵

نیز محاصرہ کے آخری دن باغی، انصار کے بنی عمرو بن حزم کے گھروں کی کھڑکی سے پھلانگ کر ''دارِ عثمانؓ'' میں گھسے تھے اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کو شہید کردیا تھا، تو کیا عمرو بن حزم اس سازش میں شریک تو نہ تھے؟ کیا باغی تائید مزید کے بغیر شہر حرام پر چڑھ دوڑے تھے؟ ۶ حضرت علی یہ تو فرماتے تھے کہ خدایا تو گواہ رہ کہ میں قتل عثمان سے بری ہوں لیکن یہ کیا تھا کہ محمد بن ابی بکر، اشتر نخعی اور عبدالرحمٰن بن عدیس جیسے اشخاص جن کے ہاتھ خلیفۃ المسلمین کے خون بے گناہ سے رنگین تھے، خلیفہ چہارم کی فوج میں اور ان مقربین کے زمرہ میں نظر آتے ہیں۔ ۷ وغیرہ وغیرہ۔ ایسا نہیں ہے کہ تاریخ نے ان سوالات کے جواب فراہم نہیں کیئے لیکن اس حوالے سے کوئی تجزیہ شائد کبھی بھی حرف آخر ثابت نہ ہوسکے کیونکہ مورخین اور تجزیہ نگاروں کو شخصی تعصب، اور گروہی اختلاف نے اظہار حقیقت سے دور رکھا ہوا ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب کی چوتھے خلیفہ راشد کے طور پر ان حالات میں بیعت ہوئی کہ مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، ممتاز صحابہ اور اربابِ حل وعقد بے بس تھے، اور باغی نہ صرف حضرت علی کی خلافت کے خواہاں تھے بلکہ ان پر مسلسل دباؤ بھی ڈال رہے تھے۔ ان حالات میں حضرت علی کی بیعت ہوئی۔ عباس محمود العقاد لکھتے ہیں ''حضرت علی کی خلافت کے لئے بیعت اس حادثے کے بعد کی گئی جو تاریخ اسلام کے خونی حوادث میں سب سے زیادہ دردناک واقعہ تھا یعنی عثمان بن عفان کی شہادت اور وہ بھی اس وقت جب کہ وہ بڑھاپے کی آخری منزل میں تھے اور جبکہ دشمنوں نے گھر کی چہار دیواری میں انہیں محصور کردیا تھا۔۔ اس حادثہ کا سب سے نازک پہلو یہ تھا کہ یہ ایک ایسی آزمائش اور پیچیدہ صورت حال تھی جس کا مداوا اختیار سے باہر تھا۔ وہ ایک ایسا تقدیری امر تھا جس سے نمٹنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں تھا اور اس حادثہ کی ذمہ داری جن پر عائد ہوتی تھی (یعنی قاتلین عثمان یا ان کے حامی) وہ کثیر التعداد اور متفرق تھے۔ مؤیدین اور مخالفین کے بھی بڑے بڑے گروہ تھے اگر ایک خاموش ہوتا تو دوسرا متحرک اور سرگرم ہوجاتا۔ اگر وہ مصیبت دور ہوتی جس پر اختیار تھا تو وہ مصیبت باقی رہتی جس پر اختیار نہیں تھا۔ حسن نیت اور سوء نیت دونوں برابر کی طاقتیں تھیں جو اپنا کام کررہی تھیں۔ ۸

حضرت علی کی بیعت دو اعتبار سے ابتدائی تین خلفاء راشد کی بیعت سے مختلف تھی۔ سیدنا ابوبکر عمر اور عثمان کی بیعت سب نے کی، کوئی شخص یا گروہ ایسا نہیں تھا جو بیعت سے باہر رہا ہو۔ دوسری بات یہ کہ ان حضرات کا نام پیش کرنے، تائید کرنے والے اصحاب بدر اور سابقون الاوّلون تھے جن کو مدینہ کی ریاست میں انتخاب کنندگان (Electoral College) کی حیثیت حاصل تھی۔

بدقسمتی سے یہ دونوں باتیں بیعتِ سیدنا علی کے ساتھ نہ ہوسکیں، مدینہ میں بھی ایک جماعت ایسی تھی جس نے سیدنا علی کی بیعت نہیں کی، ۹ نیز آپ کو خلیفہ منتخب کرنے والوں میں ان باغیوں کی اکثریت تھی جنہوں نے فقط چند یوم قبل ایک خلیفہٗ راشد کو قتل کیا تھا۔ گوکہ بعض اصحاب کرام مثلاً طلحہ بن عبیداللہ اور عبداللہ ابن زبیر بھی آپ کے تجویز و تائید کنندگان میں شامل تھے۔ ۱۰ اس وقت تک بیعت اور اطاعت امیر کا طریق کار یہ سمجھا جاتا تھا کہ انتخاب خلیفہ کا حق حرمین میں موجود مہاجرین و انصار کو حاصل تھا۔ جب وہ لوگ اظہار رضامندی کرلیتے اور بیعت کرلیتے تو باقی علاقوں کے لوگوں پر اطاعت امیر فرض ہوجاتی۔ ۱۱ بہرحال جن لوگوں نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ

نہیں تھی کہ وہ حضرت علی کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وجہ یہ تھی کہ انہیں انعقادِ خلافت کے طریقے (کہ باغیوں کے ٹولے کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب کا فیصلہ کریں) نیز قصاص خلیفۂ مظلوم میں تاخیر پر اعتراضات تھے۔ ۱۲

سیدنا علی یہ چاہتے تھے کہ اگر ان باغیوں پر قابو پالیں تو اللہ کا حق (یعنی قصاص عثمان) ان سے وصول کریں، لیکن ہوا یہ کہ آنے والے وقتوں میں قاتلین عثمان کا یہ گروہ سیدنا علی پر غالب آگیا اور ان کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے لگا ۱۳ اور صرف یہی نہیں کہ سیدنا علی قصاص عثمان نہ لے سکے بلکہ سیاسی منظرنامہ کے بتدریج تبدیل ہونے کی وجہ سے وہ انہیں لوگوں پر اعتماد کرنے پر مجبور ہوگئے جو قتل عثمان میں شریک تھے مثلاً اشتر نخعی، جو آنے والے سالوں میں سیدنا علی کا سب سے قابل اعتماد سپہ سالار بنا، نیز محمد بن ابی بکر، جن کو سیدنا علی نے مصر کا گورنر مقرر کیا، اور عمرو بن الحمق اور کنانہ بن بشر وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی، حضرت عثمان کا قصاص لینا چاہتے تھے، لیکن وہ خیالات کے انتشار کو اچھی طرح جان گئے تھے، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب تک لوگ ایک رائے پر جمع نہ ہوجائیں کہ حقوق لیے جاسکیں اس وقت تک قصاص ممکن نہیں۔ ۱۴

انعقادِ خلافت علی کے بعد مسلمان سیاسی طور پر چار گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔

۱۔ حضرت علی اور ان کے حامی، ان کا مرکز کوفہ تھا۔

۲۔ حامیانِ حضرات طلحہ، زبیر، اور عائشہ ان کا مرکز بصرہ تھا۔

۳۔ امیر معاویہ اور ان کے حامی، ان کا مرکز شام تھا۔

۴۔ غیر جانبدار گروہ، جو ان حالات میں الگ تھلگ تھا، ان کا مرکز مدینہ تھا۔ ۱۵

اس میں سے دوسرے گروہ کو حضرت علی نے فی الحال ان کے حال پر چھوڑ دیا، چوتھے گروہ سے تعرض کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ انتظار کی کیفیت میں تھے کہ امر مشتبہ ظاہر ہو تو بیعت کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کریں، رہ گیا تیسرا گروہ، ان سے نبٹنے کا حضرت علی نے فیصلہ کیا اور شام کے خلاف خود لشکرکشی کی تیاری شروع کردی ۱۶ کیونکہ اہل شام نے حضرت علی کے بھیجے گئے گورنر شام کو حدود شام میں داخل نہیں ہونے دیا اور امیر معاویہ نے ولایت شام سے اپنی معزولی کے احکامات کو مسترد کردیا تھا۔

آنے والے مہینوں میں اس طرح کی گروہ بندی بصرہ میں بھی ہوگئی تھی کہ کچھ لوگ حامیان طلحہ و زبیر تھے، کچھ حامیان علی اور کچھ غیر جانبدار۔ ۱۷ اس سے قبل کہ حضرت علی، حضرت امیر معاویہ سے نبٹتے انہیں حضرات طلحہ، زبیر اور عائشہ صدیقہ سے جنگ آزما ہونا پڑا۔ یہ جنگ تاریخ میں ''جنگ جمل'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت علی کی بیعت خلافت اور واقعہ جمل کے درمیان پانچ ماہ ۲۱ روز کا فصل تھا ۱۸ جمادی الثانی ۳۶ھ/نومبر ۶۵۶ء کو یہ ایک روزہ جنگ ہوئی۔

یہ جنگ ''اصلاح احوال'' کے نام پر لڑی گئی۔ جب حضرات طلحہ، زبیر اور ام المومنین عائشہ بصرہ کے ارادے سے نکلے، اور وہاں لوگوں نے ان سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''اصلاح کے لیئے''۔ اسی طرح حضرت علی اپنے حامیوں کے ساتھ عازم کوفہ ہوئے اور لوگوں نے ان کے اس سفر کا مقصد پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اصلاح کے لیئے جارہے ہیں۔ ۱۹

اصلاح سے حضرت عائشہ کا مطلب کیا تھا اور حضرت علی کا کیا تھا؟ طبری، ابن اثیر اور ابن کثیر وغیرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ یہ سمجھتی تھیں کہ حضرت عثمان کے خون کا قصاص لینا چاہیئے۔ یہ قرآن کا حکم اور فیصلہ ہے اس حکم اور فیصلے کو نافذ ہونا چاہیئے۔ اب یہاں بجاطور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ان اصحاب یعنی ام المومنین حضرت عائشہ، حضرات طلحہ اور زبیر کی ایسی آئینی حیثیت تھی کہ وہ ازخود قصاص کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ بصرہ اور کوفہ کے بعض لوگ حضرت عائشہ کے گھر سے نکلنے کو، حضرت عثمان کی شہادت سے بڑا سانحہ سمجھ رہے تھے۔ ۲۰ ''حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے والے اگر صحیح اور قریب ترین اور سہل راستہ اختیار کرتے تو وہ یہ تھا کہ ولی امر (خلیفہ) کی تائید کرتے تاکہ وہ حدود قائم کرنے پر قادر ہو، اس کے بعد حق کے ساتھ حکم شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے''۔ ۲۱

دوسری طرف حضرت علیؓ جس ''اصلاح'' کی بات کررہے تھے اس سے غالبًا ان کا مقصد قصاص عثمان سے زیادہ باغیوں (یعنی حضرات طلحہ، زبیر) کو دوبارہ دائرہ اطاعت میں لانا تھا۔ اس کے بعد مناسب وقت پر عثمان غنی کا قصاص بھی لیا جاسکتا تھا۔ حضرت علیؓ نے ایک سائل کے جواب میں کہا تھا ''خدا کی قسم جن لوگوں نے ہمارے خلاف سرکشی (تمرد) اختیار کی ہے میں ان سے صلح کا خواہاں ہوں''۔ ۲۲

بہرحال اس سے قبل کہ حضرت علی کوفہ پہنچتے، حضرات طلحہ، زبیر اور ام المومنین عائشہ صدیقہ بصرہ پہنچ گئے تھے، گورنر بصرہ عثمان بن حنیف کی فوج سے ان کی جنگ بھی ہوئی اور بالآخر عثمان بن حنیف کو شہر سے نکال دیا گیا اور بصرہ پر عملاً حضرات طلحہ اور زبیر کی عملداری قائم ہوگئی۔ ۲۳

جب حضرت علی کوفہ کے نزدیک پہنچے تو انہیں بصرہ میں ہونے والے قتال اور عثمان بن حنیف کی شہر بدری کی اطلاعات ملیں۔ اس وقت کوفہ کے گورنر ابوموسیٰ اشعری تھے تاہم وہ حضرت علی کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے وہ اس ساری صورت حال کو فتنہ سے تعبیر کر رہے تھے اور ایک مشہور حدیث سنا سنا کر اہل کوفہ کو اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: عنقریب ایک فتنہ ہوگا جس میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا، پیدل چلنے والے سے اور پیدل چلنے والا سوار سے بہتر ہوگا''۔ ۲۴

بہرحال کوفہ میں موجود حامیان علی کی مدد سے حضرت علی نے ابوموسیٰ اشعری، کو کوفہ کی گورنری سے معزول کردیا اور خود کوفہ میں داخل ہوگئے۔ یہاں قرار حاصل کرنے کے بعد حضرت علی نے قعقاع بن عمرو ۲۵ کو صلح کی بات چیت کے لئے بصرہ بھیجا۔ قعقاع بن عمرو کی گفتگو جو حضرات عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنھم سے ہوئی اس درجہ نتیجہ خیز رہی کہ وہ مصالحت پر آمادہ ہوگئے۔ جب انہوں نے یہ خبر حضرت علی کو دی تو حضرت علی کے لشکریوں میں بعض لوگ متوقع صلح کی خبر پر خوش ہوئے اور کچھ کو یہ خبر ناگوار گزری۔ ۲۶ حضرت علی اس صلح کے انعقاد کے لئے عازم بصرہ ہوئے اور انہوں نے وضاحتاً کہہ دیا کہ ''میں کل کوچ کرنے والا ہوں پس تم بھی کوچ کرو اور ہمارے ساتھ کوئی، ایسا شخص کرچ نہ کرے جس نے عثمان کے قتل میں لوگوں کی کچھ بھی مدد کی ہو''۔ ۲۷

حضرت علی کی فوج کا ایک حصہ جن کی تعداد ڈھائی ہزار کے لگ بھگ تھی اس صلح صفائی کی صورتِ حال سے خوش نہیں تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ قاتلین عثمان کے حامیوں میں شمار کیئے جاتے تھے ان میں اہم علباء بن ھیثم، عدی بن حاتم، سالم بن ثعلبہ قیسی، اشترنخعی، شریح بن اوفی، وغیرہ شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عثمان کے خلاف تھے اور جو باغی آئے تھے ان سے راضی تھے، ان کے ساتھ مصری بھی شامل ہوگئے تھے جن میں ابن السوداء اور خالد ابن ملجم بھی شامل تھے۔ ۲۸ اس جماعت میں کوئی صحابی شامل نہیں تھے۔ یہ لوگ نئی صورت حال پر صلاح مشورہ کرتے رہے اور حضرت علی کے

ساتھ بصرہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہاں پر بجاطور پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر حضرت علی لشکر میں ان کی موجودگی سے آگاہ تھے، تو ان کی معیت پر چشم پوشی کا کیا مطلب تھا؟ جبکہ وہ یہ اعلان کر چکے تھے کہ کوئی ایسا شخص ہمارے ساتھ کوچ نہ کرے جس نے قتلِ عثمان میں کچھ بھی مدد کی ہو؟ ان افراد کو اس بات کی پریشانی تھی کہ اگر فریقین میں صلح ہوگئی تو ان کی نہ صرف حیثیت ثانوی رہ جائیگی بلکہ ہوسکتا ہے حضرت علی قاتلین عثمان سے قصاص لینے پر آجائیں اور ان کی زندگیاں داو پر لگ جائیں۔ ان کا سب سے بڑا مفاد اس میں تھا کہ یہ صلح نہ ہوسکے۔

حضرت علی نے چند دن بصرہ میں قیام کیا، اور مصالحت کے عمل کو مکمل کیا، شرائط صلح طے ہوگئیں تو طرفین کی فوجوں میں سکون ہوگیا، انہوں نے وہ رات بڑے اطمنان سے گزاری لیکن قاتلین عثمان اور حامی ساری رات پریشان رہے کیونکہ وہ تباہی کے کنارے پر تھے، وہ رات بھر صلاح مشورہ کرتے رہے بالاخر انہوں نے یہ طے کرلیا کہ قبیلۂ مضر کے جو لوگ حضرت علی کے طرف دار تھے وہ قبیلۂ مضر کے ان لوگوں پر حملہ کریں جو طلحہ اور زبیر کے طرف دار ہیں۔ اسی طرح ربیعہ کے ایک طرف کے لوگ دوسری طرف کے ربیعہ کے لوگوں پر اور یمنی، یمنیوں پر حملہ کریں۔ اس فیصلے کے بعد صبح منہ اندھیرے انہوں نے جنگ چھیڑ دی۔ ایک فریق نے یہ سمجھا کہ دوسرے فریق نے بدعہدی کی ہے اور شب خون مارا ہے۔ بہرحال جب ایک بار جنگ چھڑگئی تو بڑھتی گئی، کیونکہ سبائی اس جنگ کو مسلسل بھڑکا رہے تھے۔ [۲۹]

یہاں اس سوال کا جواب ضرور تلاش کرنا چاہئے کہ یہ سبائی کون تھے، سبائی جو کہ عبداللہ ابن سبا کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں، ایک متنازع شخصیت کہی جاتی ہے۔ اس کے کردار کے اردگرد بہت سی افسانوی باتیں بھی جمع ہوگئی ہیں [۳۰] لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ متقدمین مورخین میں سے تقریباً ہر مورخ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لہٰذا اس کو کوئی افسانوی کردار یا خیالی شخصیت سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بعض بیانات کی رو سے عبداللہ ابن سبا یمن کا یہودی تھا اور اسلام کے ابتدائی دور کے بہت سے فتنوں کا محرک بھی وہی تھا۔ حضرت عثمان بن عفان کے عہد خلافت میں وہ دمشق پہنچا لیکن وہاں کے باشندوں نے اسے دمشق سے نکال دیا۔ پھر وہ مصر چلا گیا اور وہیں سے اپنی دعوت کا اعلان کیا۔ حضرت علی نے اسے جلا وطن کرکے ساباط (مدائن) بھیج دیا تھا۔ وہ انتہاپسند شیعی

عقائد کا پیرو اور مبلغ تھا اور حضرت علی کو خدا مانتا تھا ان کے انتقال کے بعد یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ اٹھا لیئے گئے ہیں اور پھر واپس آئیں گے۔بعض مصنفین اسے حضرت علی کا محض سیاسی حامی کہتے ہیں مگر یہ بھی روایت ہے کہ حضرت علی اس سے شدید ناراض تھے،سبائی یا سبائیہ فرقہ اسی کی جانب منسوب ہے۔

اس وقت جب کہ جنگ نے شدت اختیار کی ہوئی تھی حضرت کعب بن سوار نے فریقین کے جوش و جذبے کو کم کرنے اور امن کی خاطر مصحف (قرآن) کو بلند کیا۔ ابن السوداء کے ساتھیوں نے یکبارگی ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ ۳۱ اس جنگ کے دوران عبداللہ بن سبا (ابن السودا) کے ساتھی بے دریغ قتل و غارتگری کر رہے تھے۔ انہی نے حضرت عائشہ کے ہودج پر تیروں کی بارش کی یہاں تک کہ ان کا ہودج بالکل ساہی کی طرح ہوگیا، زیادہ تر انہی نے ان افراد کو جو یکے بعد دیگرے اونٹ کی مہار پکڑ رہے تھے، چن چن کر قتل کیا،کسی معرکے میں اس معرکہ سے بڑھ کر کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں نہیں دیکھے گئے۔ ۳۲ اونٹ کی مہار پکڑنے والوں میں بنوضبّہ کے چالیس افراد تھے جو یکے بعد دیگرے قتل ہوئے۔ ۳۳ پھر قریش کے ستر افراد نے یکے بعد دیگرے مہار پکڑی اور قتل ہوئے۔ قبیلۂ بنی عدی کے ستر آدمی اونٹ کے گرد قتل ہوئے، یہ سب قرّا تھے۔ ۳۴

جب اونٹ کی کونچیں کٹ گئیں تو جنگ سرد ہوگئی۔ حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو حضرت عائشہ کی طرف بھیجا تا کہ انہیں بحفاظت کہیں پہنچایا جاسکے۔ رات کے وقت حضرت عائشہ اپنے علاتی بھائی محمد بن ابی بکر کے ہمراہ بصرہ میں داخل ہوئیں اور عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر اتریں، جو بصرہ میں سب سے بڑا گھر تھا۔ یہیں حضرت علی ان سے ملاقات کرنے آئے۔

حضرت علی تین دن بیرون بصرہ مقیم رہے۔ میدان جنگ سے اصحابِ حضرت عائشہ کی چیزیں جمع کر کے بصرہ کی جامع مسجد میں بھجوا دیں تا کہ لوگ اپنی چیزیں پہچان کر لے لیں۔ سبائیوں نے حضرت علی پر زور دیا کہ اس مال کو غنیمت کی طرح تقسیم کیا جائے۔ ان کا موقف تھا کہ ہم نے ان سے قتال کیا تو ان کا مال بھی ہمارے لیئے حلال ہونا چاہئے۔ یہ کیا بات ہے کہ ان کی جانیں یا خون ہمارے لیئے حلال ہیں اور ان کے اموال ہمارے لیئے حلال نہیں؟

اس پر حضرت علی نے انہیں جواب دیا کہ ''تم میں کون یہ چاہتا ہے کہ ام المومنین اس کے حصے میں

آئیں؟"۔ ۳۵

اس پر سبائی چپ ہو گئے لیکن حضرت علی سے ناراض ہوئے اور ان کو برا بھلا کہتے رہے۔

اس جنگ میں فریقین کے دس ہزار افراد قتل ہوئے ۳۶ حضرت علی جب بصرہ میں داخل ہوئے تو اہل بصرہ نے آپ کی بیعت کی ان میں جمل کے مجروحین اور آمان یافتہ لوگ بھی شامل تھے۔ ابن عباس کو بصرہ کا والی مقرر کیا اور زیاد بن ابیہ (زیاد بن ابی سفیان) کو ٹیکس اور بیت المال پر امیر بنایا۔ رجب ۳۶ھ میں حضرت عائشہ نے واپسی کا قصد کیا تو حضرت علی نے سفر واپسی کے تمام انتظامات کیئے۔ حضرت عائشہ مکہ پہنچیں اور حج تک مقیم رہیں اور حج کے بعد مدینہ چلی گئیں۔

اس امر سے نبٹنے کے بعد حضرت علی کوفہ میں داخل ہوئے (رجب ۳۶ھ)۔ جب بمقام مربد ۳۷ پہنچے تو بصرہ کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا "خدا ہی لائق حمد وثنا ہے۔ اس نے مجھے اس علاقے سے نکالا جس کی مٹی بری ہے۔ جو بہت جلد خرابہ بننے والا ہے جو پانی سے بہت ہی قریب اور آسمان سے بہت دور ہے"۔ اور جب کوچ کرتے ہوئے کوفہ کے قریب پہنچے تو کہا "واہ وا میرے کوفہ، تیری ہوا کیا خوشبودار ہے، تیری خاک کیا پر غذا ہے جو یہاں سے جائے گا وہ گناہ کی پاداش میں جائے گا، جو آئے گا سو وہ رحمت کے سائے میں آئے گا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تیرا یہ عالم ہوگا کہ ہر مومن تیری راہ لے گا اور ہر فاجر کے لیئے یہاں ٹھہرنا دوبھر ہوجائے گا۔ تو یوں آباد ہوگا کہ تیرا ساکن صبح سویرے نماز جمعہ کی خاطر گھر سے نکلے گا مگر تیری وسعت کے باعث وقت پر پہنچ نہ سکے گا"۔ ۳۸

بصرہ کے بارے یہ پیش گوئی اس حوالے سے درست تھی کہ آنے والے مہینوں اور سالوں میں یہ خوارج کا فکری مرکز بننے والا تھا، اس سے پہلے یہ حامیان عثمان کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ شائد کوفہ کے بارے میں آپ کا یہ اندازہ درست نہ تھا، آنے والے مہینوں اور سالوں میں اہل کوفہ نے جس طرح آپ کو پریشان کیا، آپ پر عدم اعتماد کیا اور آپ کو تنہا چھوڑ دیا وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔

حضرت علی نے کوفہ کو اپنا مرکز کیوں بنایا اور مدینہ کو کیوں ترک کیا اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ بعض اہل علم سمجھتے ہیں کہ حضرت علی مدینہ کو، حرم ہونے کی وجہ سے، باہمی جنگوں اور تنازعات سے الگ رکھنا چاہتے تھے ۳۹ بض اہل علم اس کے جغرافیائی محل وقوع اور اس کی علمی وثقافتی اہمیت

کے پیشِ نظر اسے مرکز خلافت بنانا موزوں سمجھتے تھے [40] تاہم اس کے ساتھ ساتھ کوفہ کو اپنا مرکز بنانے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ کوفہ حامیان وشیعیان علی کا گڑھ تھا۔ خصوصاً بنو ہمدان جو آپ کے دست و بازو بنے، وہ کوفہ میں بڑی تعداد میں مقیم تھے، جب کہ مدینہ میں آپ کی یہ حمایت نہیں تھی۔ بہرحال کوفہ آنے کے بعد حضرت علی نے اس شہر کو اپنا مرکز خلافت بنایا، یہیں مقیم رہے اور دیگر علاقوں میں اپنے گورنر اور عمال مقرر کیئے۔ جو بات حضرت علی اور امیر معاویہ کے مابین مابہ النزاع بن گئی وہ یہ تھی کہ حضرت علی نے موصل، نصیبین، دارا، سنجار، آمد، میافارقین، ھبتِ عانات اور سرزمین شام میں سے مفتوحہ جس قدر علاقے تھے ان سب کی زمام حکومت اشترنخعی کے ہاتھ میں دے دی جس کا نام یکے از قاتلینِ عثمان کے طور پر بار بار لیا جاتا رہا تھا۔ اشتر ان علاقوں کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں ضحاک بن قیس فہری سے آمنا سامنا ہوا جو اس نواح پر معاویہ کی طرف سے حکمران تھا، دونوں کے مابین حرّان اور رقّہ کے مابین معرکہ رہا، یہ سلسلہ معرکۂ صفین پر جاکر منتج ہوا۔ جنگ صفین ہی وہ معرکہ ہے جس میں خوارج کا ظہور ہوا۔

(جاری ہے)

حواشی وحوالہ جات:

۱ اکبر آبادی، سعید احمد، عثمان ذوالنورین، ص ۲۶۵ (مجلس نشریات اسلام، کراچی، ت ن)

۲ ایضاً (بحوالہ عقد الفرید)

۳ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ص ۲۰۹

۴ صدیقی، علی محسن، مضامین تاریخی، ص ۱۳۲ (قرطاس، کراچی ۲۰۰۶ء)

۵ ایضاً، شرپسندوں میں غلام اور اعراب بھی شامل تھے دیکھئے الکامل ابن اثیر جلد ۲، ص ۵۵۸

۶ صدیقی، علی محسن، مضامین تاریخی، ص ۱۳۳

۷ اکبر آبادی، سعید احمد، عثمان ذوالنورین، ص ۲۶۷

۸ عباس محمود العقاد، العبقریات اسلامیہ، ص ۸۸۰ (دار الفتوح، قاہرہ)

۹ مدینہ کے جن اصحاب رسول نے سیدنا علی کی بیعت نہیں کی ان میں سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، صہیب رومی، عبداللہ ابن سلام، سلمہ بن سلامہ ابن وقش، اسامہ بن زید، قدامہ ابن مظعون، مغیرہ ابن شعبہ اور انصار میں سے محمد بن مسلمہ، زید بن ثابت، حسان ابن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، نعمان بن بشیر، رافع بن خُدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ شامل تھے۔ (الکامل ابن اثیر، جلد ۲، ص ۵۵۵) تاہم ابن اثیر ہی کی ایک اور روایت کی رو سے بعد میں عبداللہ ابن عمر نے حضرت علی کی بیعت کرلی تھی، مگر جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا کیونکہ یہ امر مشتبہ تھا، یعنی اہل قبلہ سے جنگ جائز ہے یا نہیں (الکامل ابن اثیر، جلد ۲، ص ۵۶۹)

۱۰ ابن اثیر، الکامل، جلد ۲، ص ۵۵۴

۱۱ ابوحنیفہ الدینوری، اخبار الطوال، ص ۲۷۲۔ ابن اثیر، الکامل، جلد ۲، ص ۵۵۷ (دینائے اسلام کے تمام شہروں نے متفقہ طور پر حضرت علی کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا تھا مثلاً اہل شام اور اہل مکہ نے ان کی بیعت نہیں کی، مصر میں ایک گروہ نے ان کی بیعت کرلی لیکن ایک دوسرے گروہ نے جو "اہل خربتا" کہلاتا ہے، بیعت نہیں کی۔ بصرہ میں بھی حضرت علی کی بیعت نہیں ہوئی۔ جنگ جمل کے بعد ان سے بیعت لی گئی کوفہ کی اکثریت نے ان کی بیعت کرلی مگر ایک گروہ نے ان کی مخالفت

کی۔ (دیکھئے مضامین تاریخی از علی محسن صدیقی ص۱۳۵۔ بحوالہ طبری)

۱۲ طبری، تاریخ طبری، جلد۳، ص

۱۳ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، جلد۷، ص۲۴۸

۱۴ ندوی، ابوالحسن علی، المرتضٰی، ص۲۳۵ (مجلس نشریات اسلام، کراچی، تیسرا ایڈیشن)

۱۵ ابن کثیر، البدایۃ و النہابۃ جلد۷، ص۲۵۳۔ الکامل جلد۲، ص۵۸۹

۱۶ ابن اثیر، الکامل، جلد۲، ص۵۸۲

۱۷ الکامل، جلد۲، ص۵۹۸

۱۸ مسعودی، التنبیہ والاشراف، ص۱۴۴

۱۹ ابن کثیر، البدایہ و النہایۃ، جلد۷، ص۲۵۳۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، جلد۲، ص۵۶۹

۲۰ ابن اثیر، الکامل، جلد۲، ص۵۷۶

۲۱ عباس محمود العقاد، العبقریات اسلامیہ، ص۹۲۴ (عسقلانی، ابن حجر، الاصابہ فی تمییز صحابہ ص۵۰۸ میں اسی خیال کا اظہار کرتے ہیں)۔

۲۲ ابن کثیر، البدایۃو النہایۃ، جلد۷، ص۲۵۲

۲۳ ابن اثیر، الکامل، جلد۲، ص۵۷۹

۲۴ ابن کثیر، البدایۃ و النہایۃ، جلد۷، ص۲۵۳

۲۵ قعقاع بن عمرو بن مالک تمیمی، ایک عرب سردار تھے، اسلامی فتوحات میں شریک رہے۔ جنگ قادسیہ میں ایک ہی دن انہوں نے تیس حملے کیئے اور ہر حملے میں کسی نہ کسی بہادر کو نشانہ بنایا۔ انہوں نے نامور سپہ سالار خالد بن ولید کی ماتحتی میں ابتدائی اسلامی جنگوں میں بڑا نمایاں حصہ لیا۔ فتح دمشق میں بھی انہوں نے نمایاں حصہ لیا اور اس سے اگلے سال جنگ یرموک میں سواروں کے ایک دستے کے سپہ سالار تھے۔ مدائن کی فتح میں بھی یہ شامل تھے، اسی سال کے آخر میں قعقاع جنگ جلولاء میں ہراول دستے کے سردار تھے، انہوں نے ۲۱ھ/۶۴۱-۶۴۲ء میں نہاوند کی تسخیر میں بھی شرکت کی۔ بعد میں انہوں نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ قعقاع عرب داستانوں کی ایک ہر دلعزیز اور بہادر شخصیت ہونے کے علاوہ شاعر کی حیثیت سے بھی

مشہور تھے۔ انہوں نے کئی نظموں میں اپنے جنگی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد۲/۱۶، ص۳۴۶)

۲۶ الکامل، جلد۲، ص۵۹۲

۲۷ البدایة و النهایة جلد۷، ص۲۵۵۔ ابن اثیر، الکامل، جلد۲، ص۵۹۳

۲۸ ابن اثیر، الکامل، جلد۲، ص۵۹۳

۲۹ ایضاً، ص۵۹۹

۳۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۱۴، ص۷۸۴

۳۱ البدایة و النهایة، جلد۷، ص۲۵۹

۳۲ ایضاً۔ ابن اثیر، الکامل، جلد۲، ص۶۰۳

۳۳ ایضاً، ص۶۰۶

۳۴ ایضاً، ص۶۱۲

۳۵ البدایة و النهایة، جلد۷، ص۲۶۲

۳۶ الکامل ابن اثیر، جلد۲، ص۶۱۲

۳۷ مِربد نام کے دو مقامات ہیں، مدینہ کے قریب ایک موضع، دوسرا بصرہ کا ایک بازار یا محلّہ۔ یہاں آخرالذکر مراد ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان ص۹۷)

۳۸ اخبارالطّوال، ص۹-۲۸۸

۳۹ ندوی، سید ابوالحسن علی، المرتضٰی، ص۲۳۷ (مجلس نشریات اسلام، کراچی)

۴۰ عباس محمود العقاد، العبقریات الاسلامیہ، ص۹۵۲

(جاری ہے)